Volume 04, Issue 01,
January-March 2026
PP: 186-199
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

انتخابِ خلافت اور سیرت نگاری کا کلامی اسلوب

سید جعفر مرتضی عاملی کی "الصحیح من سیرت النبی الاعظم ﷺ" کا انتقادی جائزہ

The Election of the Caliphate and the Theological Style of Sīrah Writing: A Critical Review of Sayyid Ja'far Murtadha al-'Amili's "Al-Sahih min Sirat al-Nabi al-A'zam"

Muhammad Tahir Arshad[1], Dr. Humayun Abbas[2]

Article QR

Article History

Received
11-03-2026

Accepted
29-03-2026

Published
31-03-2026

Abstract & Indexing

Abstract

This article presents a critical study of the theological and historiographical methodology employed by Sayyid Ja'far Murtadha al-'Amili in his renowned work Al-Sahih min Sirat al-Nabi al-A'zam ﷺ, with particular focus on the issue of the election of the Caliphate (Intikhab-e-Khilafat) and its treatment within prophetic biography (Sīrah writing). The study explores how the author integrates theological discourse (Kalām) into historical narration and examines the extent to which doctrinal commitments influence his analysis of early Islamic political events. The article critically evaluates al-'Amili's interpretive approach toward the events surrounding the succession to the Prophet Muhammad ﷺ, especially his discussion of the incidents of Saqifah, Ghadir Khumm, and the role of the Companions. It further investigates his reliance on historical reports, principles of source criticism, and argumentative style in comparison with classical Sunni and Shi'a historiographical tradition. By analyzing selected passages from Al-Sahih min Sirat al-Nabi al-A'zam ﷺ, the study highlights the author's tendency to employ a polemical and theological framework while reconstructing historical narratives. The research also discusses the broader impact of sectarian perspectives on Sīrah literature and assesses whether theological presuppositions strengthen or compromise historical objectivity. Using analytical and comparative methods, the article aims to contribute to contemporary academic discussions on Islamic historiography, Sīrah studies, and the relationship between theology and history in Muslim intellectual tradition.

Keywords:

Khilāfah, Sīrah Literature, Kalāmī Methodology, Sayyid Ja'far Murtaḍā al-'Āmilī, al-Ṣaḥīḥ min Sīrat al-Nabī al-A'ẓam ﷺ, Islamic Historiography, Critical Analysis.

[1] *PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad, Pakistan.*
****Corresponding Author***
[2]*Dean, Faculty of Islamic and Oriental Learning, Government College University Faisalabad, Pakistan.*
drhumayunabbas@gcuf.edu.pk

All Rights Reserved © 2026 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

سیرتِ رسول ﷺ کی روایتی تدوین کے ساتھ ساتھ "کلامی سیرت نگاری" ایک منفرد اور اہم علمی اسلوب ہے جو نہ صرف تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہے، بلکہ ان کے عقلی، الہیاتی اور کلامی پہلوؤں کو بھی ہر لحاظ سے اجاگر کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی متوفی 1431ھ لکھتے ہیں:

"فقہیانہ اسلوب کے ساتھ ایک اور اسلوب بھی ہے جس کو ہم متکلمانہ اسلوب کہہ سکتے ہیں, اس سے مراد یہ ہے کہ علم کلام کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کو دیکھا جائے اور جو چیزیں علم کلام کے نقطۂ نظر سے اہم ہیں وہ نمایاں کی جائیں۔"[1]

سیرتِ رسول ﷺ محض تاریخی واقعات کا بیان نہیں بلکہ عقائد، احکام اور اخلاقیات کا عملی نمونہ ہے۔ علمِ کلام، جو عقائدِ اسلامیہ کی عقلی و نقلی وضاحت اور دفاع کا علم ہے، سیرت کے ساتھ جڑ کر اسے مزید معنوی گہرائی اور عقلی پختگی عطاء کرتا ہے۔ سید عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں:

"برصغیر کی عظیم ترین شخصیت شاہ ولی اللہ نے اپنی لازوال تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں کلامیات سیرت کے حوالے سے وقیع کام کیا ہے، بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول ایک اعتبار سے اس ساری کتاب کا پورا موضوع ہی کلامیات سیرت ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور سنت کے وہ حقائق اور معارف بیان کیے ہیں جو عام انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔"[2]

شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی متوفّی 1239ھ نے سیرت کے دائرہ کار کی وسعت پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آنچہ متعلق بوجود پیغمبر ما ﷺ وصحابہ کرام و آں عظام است و از ابتدائے تولد آنجناب تا غایت وفات آں را سیرت گویند۔"[3]

(جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کے وجود سے متعلق ہو جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کئے گئے ہوں وہ سیرت ہے)

کلامی سیرت نگاری میں سیرتِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار، فضائل اور ان کے باہمی تعلقات کو بھی عقلی، اعتقادی اور الہیاتی زاویے سے سمجھا جاتا ہے۔ اس اسلوب میں صحابہ کرام کی زندگیوں کو محض تاریخی واقعات کے طور پر نہیں بلکہ دین کے فہم، تحفظ اور عملی تطبیق کے بنیادی ستون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جن کے ذریعے عقائدِ اسلامیہ کی تعبیر و توضیح مزید واضح ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بیان کردہ متکلمانہ منہج کے مطابق سیرت کا مطالعہ ان پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جو امت کی فکری و اعتقادی رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں، جبکہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں سیرت و سنت کے وہ عمیق معارف سامنے آتے ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے عملی صورت میں منتقل ہوئے۔ اسی طرح شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق سیرت کا دائرہ حضور ﷺ سے لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پھیلا ہوا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ کلامی سیرت نگاری میں صحابہ کی حیات بھی اعتقادی و علمی مباحث کا لازمی حصہ ہے۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ" علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی کی تالیف ہے۔ سید جعفر مرتضی عاملی 25 صفر 1364ھ (بہ مطابق 6 جنوری 1945ء) کو جبل عامل لبنان کے مضافات میں واقع دیہات "دیر قانون" میں پیدا ہوئے۔[4] قم ایران میں داخلہ لے کر اپنے وقت کے نامور اساتذہ سے تحصیل علم کی۔[5] زندگی بھر تالیف و تصنیف میں گزار کر 28 صفر 1441ھ بمطابق 26 اکتوبر 2019ء کو انتقال ہوا۔[6] "الصحیح" اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی نے "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ" کے علاوہ سو سے زائد کتابیں تالیف کی ہیں۔

سیرت کے عنوان پر مکتب تشیع میں کوئی تفصیلی کتاب موجود نہ تھی۔ فاضل علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے یہ ہمت کی۔ چنانچہ بیسویں صدی کے اواخر میں انہوں نے یہ تحقیقی کام شروع کیا اور تقریباً 25 سالوں پر محیط محنت اور تحقیق کے بعد 35 جلدوں پر مشتمل کتاب "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ" تالیف کر کے مکتب تشیع میں موجود اس خلا کو پر کر دیا۔ مؤلف نے "الصحیح" کو چند مراحل میں تالیف کیا۔ پہلے مرحلہ میں اس کی چار جلدیں 1983ء، میں طبع ہو کر منظر عام میں آئیں۔ جامعۃ المدرسین کے زیر اہتمام مؤسسۃ النشر الاسلامی نے اسے قم المقدسہ سے نشر کیا۔ اس کے تقریباً دس سال بعد مزید کچھ جلدوں کی تالیف سے فارغ ہوئے اور پہلے والی چار جلدوں پر تجدید نظر کے ساتھ ابتدائی دس جلدیں منتشر ہوئیں۔ اور بالآخر 2006ء میں 35 جلدوں کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

مؤلف نے اپنے خاص اسلوب اور شیعہ اصول سیرت نگاری کے مطابق اس کتاب کی تالیف کی ہے۔ لہٰذا متعدد مقامات میں اہل سنت سیرت نگاروں سے مختلف روش اپنائی ہے۔ البتہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں بلا امتیاز فریقین کے تقریباً 1700 منابع سے استفادہ کیا ہے۔

انتخابِ خلافت پر علامہ عاملی کی آراء: تجزیاتی و انتقادی بحث

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کا فوری انتخاب انتہائی ضروری تھا، کیوں کہ امت اسلامیہ ایک انتہائی نازک مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ منتخب خلیفہ کی رہنمائی کے بغیر سیاسی، سماجی اور فوجی امور کی نگرانی ممکن ہی نہیں تھی اور امت میں انتشار، قبائلی مفادات اور اقتدار کی کشمکش کا خطرہ موجود تھا۔ انصار و مہاجرین میں اختلاف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قیادت کے لیے رہنمائی نہ ہونے کی صورت میں امت اسلامیہ میں انتشار کے امکانات بڑھ سکتے تھے۔ فوری انتخاب خلافت نے اس خلا کو کم کیا اور ایک مرکزی قیادت کا وجود قائم کر کے نہ صرف امن و استحکام کی ضمانت دی بلکہ امت کو داخلی کشمکش سے بچایا گیا۔ یوں انتخاب خلافت کا اقدام محض سیاسی ضرورت نہیں بلکہ امت کی بقاء، اجتماعی اتفاق اور اسلامی ریاستِ مدینہ کے استحکام کے لیے لازم تھا۔ علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے اپنی صحیح میں انتخاب خلافت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ خلافت صدیق اکبر پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے لکھا:

"لقد استدل أبو بكر وعمر بن الخطاب على تقديم أبي بكر للخلافة بأمور يمكن تلخيصها في النقاط التالية:١- إنه أول من أسلم. ٢- إنه صديق.٣- إنه صاحب رسول الله صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم.٤- إنه صاحب الغار مع رسول الله صلى الله عليه وآله، وثاني اثنين.٥.إن النبي صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم أمره أن يصلي بالناس.٦- و في بعض النصوص: إنه أكبرهم سناً"[7]

(حضرت ابو بکر اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے خلافت کے لیے ابو بکر کی تقدیم پر چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں، جنہیں درج ذیل نکات میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے: 1- وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔ 2- وہ صدیق ہیں (یعنی انتہائی سچے اور تصدیق کرنے والے)۔ 3- وہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھی ہیں۔ 4- وہ غار (غار ثور) میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور "ثانی اثنین" ہیں۔ 5- نبی کریم ﷺ نے انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ 6- بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ سب میں عمر کے لحاظ سے بڑے تھے۔)

علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی نے درج بالا مقدمہ کے ثبوت میں کوئی بھی مستند ترین حوالے نہیں دیئے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب خلافتِ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ میں جو دلائل دیئے گئے ان کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ عاملی لکھتے ہیں:

"واما الاستدلال بصلاة ابى بكر على الخلافة فقد ذكرنا ان صلاته مشكوكة الوقوع ولو ثبت انه صلى فالصلاة ايضا لا تدل على فضيلة لابى بكر خصوصا وكان النبى قد عزله عنها"[8]

(اور جہاں تک (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر (امامتِ) نماز سے استدلال کرنے کی بات ہے، تو ہم نے ذکر کیا کہ اِن کی (امامتِ) نماز وقوع میں مشکوک ہے اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ انہوں نے (امامتِ) نماز ادا کی، تب بھی یہ (امامت) نماز ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت یا برتری کے لیے دلیل نہیں بنتی، خاص طور پر جبکہ رسول کریم ﷺ نے ان کو اس سے معزول کر دیا تھا)

علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے صحبت غار کے حوالے سے لکھا:

"واما ان ابا بكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فهو لا يفيد ايضا اذ ما اكثر الصحابة لرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وليست الصحبة من الموهلات للخلافة "[9]

(اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکر رسولِ کریم ﷺ کے صحابی تھے، تو یہ بات بھی خلافت پر دلالت نہیں بنتی، کیوں کہ رسولِ کریم ﷺ کے صحابہ تو بہت زیادہ تھے اور محض صحبت خلافت کے لیے مؤثر دلیل نہیں)

علامہ سید جعفر مرتضی عاملی کے ان بیانات میں سے اہم ترین بیانات کا مرحلہ وار جائزہ درج ذیل ہے۔

امامتِ صلاۃ سے خلافتِ ابو بکر صدیق پر استدلال کا علمی جائزہ

امامتِ صلاۃ سے خلافتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر استدلال کا مسئلہ تاریخ اسلامیہ و علمِ کلام کا ایک اہم اور نازک بحثی پہلو ہے، جس میں محدثین، فقہاء اور متکلمین رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے اپنے اصولوں کے مطابق گفتگو کی ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے مرضِ وفات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے آگے بڑھانا ان کی خلافت و افضلیت کی واضح دلیل ہے، جبکہ دیگر اہلِ نظر اس واقعہ کے ثبوت، استدلال اور سیاق و سباق پر سوالات اٹھاتے ہوئے اسے بالکل قطعی دلیل قرار نہیں دیتے۔ علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے اس حوالے سے لکھا ہے:

"واما الاستدلال بصلاة ابى بكر على الخلافة فقد ذكرنا ان صلاته مشكوكة الوقوع ولو ثبت انه صلى فالصلاة ايضا لا تدل على فضيلة لابى بكر خصوصا وكان النبى قد عزله عنها "[10]

(اور جہاں تک (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر (امامتِ) نماز سے استدلال کرنے کی بات ہے، تو ہم نے ذکر کیا کہ اِن کی (امامتِ) نماز وقوع میں مشکوک ہے، اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ انہوں نے (امامتِ) نماز ادا کی، تب بھی یہ (امامت) نماز ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت یا برتری کے لیے دلیل نہیں بنتی، خاص طور پر جبکہ رسول کریم ﷺ نے ان کو اس سے معزول کر دیا تھا)

علامہ عاملی کے اس اعتراض کو حضرت مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے فرامین کی روشنی میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن حسین آجُرّی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ چہارم حضرت سیّدنا مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

"حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْأَعْرَابِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ فَهْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْهُذَلِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : قَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُصَلِّي بِالنَّاسِ وَقَدْ رَأَى مَكَانِي، وَمَا كُنْتُ غَائِبًا وَلَا مَرِيضًا، وَلَوْ أَرَادَ أَنْ يُقَدِّمَنِي لَقَدَّمَنِي، فَرَضِينَا لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِدِينِنَا"[11]

(حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے آگے کیا تھا حالاں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حیثیت کا پتا تھا میں غیر موجود بھی نہیں تھا بیمار بھی نہیں تھا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آگے کرنا چاہتے تو مجھے آگے کر دیتے اس لیے ہم اپنی دنیا کیلئے اُس شخص سے راضی ہوئے جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کے حوالے سے راضی تھے)

اس روایت کو بیان کرنے والوں میں امام آجُرّی متوفّٰی 360ھ [12]، امام ابن بطّۃ العکبری متوفّٰی 387ھ [13]، قاضی باقلانی متوفّٰی 403ھ [14]، امام اَبو نعیم الاَصبہانی متوفّٰی 430ھ [15]، امام بیہقی متوفّٰی 458ھ [16]، امام ابن عبد البر متوفّٰی 463ھ [17]، امام ابن الزاغونی الحنبلی 827ھ [18]، امام یمنی الشافعی متوفّٰی 558ھ [19]، امام محب الدین الطبری متوفّٰی 694ھ [20]، امام صالحی الشامی متوفی: 942ھ شامل ہیں۔

اس روایت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے خود اپنے بیان کے ذریعے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کو نصِ خلافت کی قطعی دلیل تسلیم کیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے موجود اور صحت مند ہونے کے باوجود امامتِ صلوٰۃ کے لیے آگے نہ کیا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے کیا، لہٰذا ہم نے اپنی دنیا کے معاملات میں بھی ان کی خلافت کو پسند کر لیا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے باب میں امام مقرر کیا۔ اس وضاحت میں دو نکات نہایت روشن ہیں:

1. حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اس اقدام کو صرف ایک عارضی امر یا علالت کی وجہ سے نہیں سمجھا بلکہ اسے اختیارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اعتمادِ رسالت کا واضح اظہار قرار دیا۔
2. امامتِ صلوٰۃ محض ایک عملی انتظام نہیں بلکہ دین کے اصل معاملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا فیصلہ تھی، لہٰذا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے باب میں کسی کو مقدم کیا تو دنیا کے معاملات میں بھی اس کو مقدم کرنا حق تھا۔

ثابت ہوا یہ روایت علامہ سید جعفر مرتضی عاملی کے اس اعتراض کو رد کرتی ہے کہ امامتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خلافت کی دلیل نہیں بن سکتی جبکہ اس روایت کے الفاظ خود حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واضح کر رہے ہیں کہ امامتِ صلوٰۃ بھی خلافت کے استحقاق کی بنیاد بنی اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی رضائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیاد مانا ہے۔

خلافت کی بنیاد: صداقت و صحبتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ عاملی کا مؤقف

خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی برتری میں ایک نمایاں اور ناقابلِ انکار دلیل صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیوں کہ قرآنِ مجید نے خود اس صحبت کو محض رفاقت نہیں بلکہ ایمان، اعانت، سہارے اور نصرت کی سند کے ساتھ ذکر کیا: "إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ..... لا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" یہ آیت کریمہ اسی وقت کے اس مقام صحبت کو مہرِ ربانی عطاء کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف و دہشت کے لمحے میں صرف تسلی ہی نہیں دی بلکہ معیتِ الٰہیہ کی خبر دے کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلبی مقام کو امت کے سامنے واضح کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی بھی انسان کو وہ قرب، اعتماد، رازدارانہ تعلق اور ہم رکابی نصیب نہ ہوئی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حصہ بنی۔ ہجرت مدینہ کی پہلی رات سے لے کر غار کی خلوت تک اور ہجرتِ مدینہ سے ریاست کے قیام تک۔ ان ہی وجوہات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت کے مسئلہ میں جب فیصلہ کیا تو صحبتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیادت کی سب سے اہم سند مانا، کیوں کہ جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے حساس ترین مرحلے میں اپنا ہم سفر، محلِ اعتماد اور رازدار منتخب کیا، امت مصطفی بھی اسی کو خلافتِ کے لیے اولیٰ و اعلیٰ سمجھنے میں حق بجانب تھی۔ اس طرح خلافتِ صدیق کسی سیاسی اتفاق کا نتیجہ نہیں، بلکہ صحبتِ نبوی کی برکت، قربِ رسالت کی سند اور اعتمادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی توثیق ہے، جس کو قرآن مجید نے خود ثبت کر دیا۔ مگر علامہ سیّد جعفر مرتضی عاملی نے لکھا:

"واما ان ابا بكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فهو لا يفيد ايضا اذ ما اكثر الصحابة لرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وليست الصحبة من الموهلات للخلافة"[21]

(اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکر رسولِ کریم ﷺ کے صحابی تھے، تو یہ بات بھی خلافت پر دلالت نہیں بنتی، کیوں کہ رسولِ کریم ﷺ کے صحابہ تو بہت زیادہ تھے اور محض صحبت خلافت کے لیے مؤثر دلیل نہیں)

علامہ جعفر مرتضی عاملی کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت ان کی خلافت پر دلالت نہیں کرتی، اس نکتے میں اصولی کمزوری پائی جاتی ہے، کیوں کہ صحبتِ رسول ﷺ محض معمولی قرب نہیں بلکہ معیارِ عدالت، معیارِ فضل اور معیارِ تقدّم ہے۔ قرآن کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان، قربانی اور صحبت کو واضح فضیلت اور اہلیتِ قیادت کا عنوان قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

"وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"[22]

(اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنھوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے)

یہاں رسول کریم ﷺ کی صحبت کو ہی سببِ رضائے الٰہی اور استحقاقِ امتیاز ٹھہرایا گیا ہے۔ پھر یہاں صحبت رسول ﷺ عام نہیں بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں خصوصی نص قرآنی موجود ہے:

"اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَاۚ"[23]

(جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

قرآنِ کریم میں غارِ ثور کے واقعہ کے بیان میں معیت، امان، اطمینان اور تائید صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے جمع ہوئیں، اور یہ امتیاز کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا۔ آیتِ کریمہ "إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ... إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" میں معیتِ ربانی، نصرتِ الٰہی اور سکینۂ نبوی ایک ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کی گئی۔ رسول کریم ﷺ کا تسلی دینا "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" محض تسلی نہیں بلکہ قرآنی اعلانِ اعتماد اور نبوی توثیقِ مقام ہے۔ یہاں معیت میں شریک ہونا، اطمینان کا خاص خطاب پانا، خوف سے امان ملنا اور تائید خداوندی کا صراحتاً اعلان، ان سب کا ایک ہی لمحے میں حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی ذات سے متعلق ہونا، اُن کی خلافت کے استحقاق پر براہِ راست دلائل میں شمار ہوتا ہے۔ امت مسلمہ نے اسی لیے اس منظر کو صرف تاریخی واقعہ نہیں بلکہ امتیازِ خلافت کا قرآنی اشاریہ سمجھا۔ علامہ عاملی نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے دیئے گئے بیانات کی بنیاد پر لکھا:

غار میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دو میں سے دوسرے ہونا ان کی کسی خاص فضیلت پر دلالت نہیں کرتا، اور نہ ہی اس بات پر کہ وہ علم، تقویٰ، شجاعت، تدبیر و سیاست، عقل یا ان اوصاف میں ممتاز تھے جن کا خلیفہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے، بھی اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ وہ امامت و خلافت کی تمام صفات کے جامع تھے، بلکہ یہ دعویٰ نہ نص کے طور پر ثابت ہے اور نہ تاریخی طور پر قطعی حیثیت رکھتا ہے۔[24]

علامہ جعفر مرتضی عاملی کا یہ دعویٰ کہ غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا "ثانی اثنین" ہونا کسی خاص فضیلت پر دلالت نہیں کرتا، دراصل قرآنی سیاق کو منقطع کر کے دیکھنے کی کوشش ہے۔ قرآن مجید نے صرف "ثانی اثنین" نہیں کہا بلکہ اسی مقام پر ربانی معیت، نبوی تسلی، اور سکینۂ الٰہی کو جمع کر کے واضح کیا یہ الفاظ محض واقعاتی بیان نہیں بلکہ اعتمادِ نبوی، انتخابِ نبوی اور معیتِ ربانی کا اعلان ہیں، جس سے واضح ہوتا

ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خائف نہیں بلکہ اطمینان کے استحقاق والے ساتھی تھے جن کو رسول کریم ﷺ اپنے پہلو میں، اپنے راز میں، اپنی ہجرت کے خفیہ تدبیر میں شریک کیے ہوئے تھے۔ اگر اس قدر قرب کو فضیلت سے خالی قرار دیا جائے تو پھر تاریخِ نبوت میں کوئی واقعہ کسی امتیاز کی دلیل نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ سب سے پہلے ایمان کے مسئلے کو تاریخی طور پر غیر قطعی کہنا اختلاف کو دلیلِ سقوط بنا دینا ہے، حالاں کہ امت مسلمہ کا عمومی تواتر، سیرت نگاروں کا اتفاق اور خود اقوالِ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس تقدّم کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا غار کی معیت ہو یا تقدّمِ اسلام، دونوں محض خارجی عنوانات نہیں بلکہ قرآنی توثیق، نبوی اعتماد اور تاریخی اجماع کے ساتھ فضیلتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا ثبوت ہیں، جسے محض تاویلی موشگافی سے ساقط نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اول اسلام لانے کی روایات کثرت سے کتب احادیث میں جیّد اسناد کے ساتھ موجود ہیں اور ان روایات کو بیان کرنے والوں میں حضرت امام احمد بن حنبل متوفّی 241ھ [25]، امام المکی الفاکہی متوفّی 272ھ [26]، امام ترمذی متوفّی 279ھ [27]، امام بزّار متوفّی 292ھ [28]، امام ابن یزید الخَلَّال متوفّی 311ھ [29]، امام الضبی المحاملی متوفّی 330ھ [30]، امام ابن حبان البُستی متوفّی 354ھ [31]، امام آجُرّیُّ البغدادی متوفّی 359ھ [32]، امام ابن مطیر اللخمی الشامی متوفّی 360ھ [33]، امام الزہری القرشی متوفّی 381ھ [34]، امام ابن بَطّۃ العکبری متوفّی 387ھ [35]، امام حاکم النیشابوری متوفّی 405ھ [36]، امام بیہقی متوفّی 458ھ [37]، امام ابن عبد البر متوفّی 463ھ [38]، امام مقدسی متوفّی 608ھ [39]، امام ہیثمی متوفّی 807ھ [40]، شامل ہیں۔

مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اول اسلام لانے کے انکار کا مؤقف حقائق کے خلاف ہے، کیوں کہ معتبر محدثین اور مؤرخین کی ایک بڑی جماعت نے صراحت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو اول ایمان لانے والا اور دیگر روایات سے مطابقت کرتے ہوئے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا قرار دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے دعوتِ مصطفوی کے بالکل آغاز میں بلاتردد ایمان قبول کیا اور فوراً دعوت و نصرت میں سرگرم ہوگئے۔ لہٰذا محض بعض احتمالات یا تاویلات کی بنیاد پر اس متواتر تاریخی حقیقت کا انکار علمی معیار پر بالکل پورا نہیں اُترتا، لہٰذا علامہ عاملی کا مؤقف نہ روایتی وزن رکھتا ہے اور نہ ہی سیرت و تاریخ کے مسلّمہ بیانیے سے ہم آہنگ ہے۔

خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: علامہ عاملی کا مؤقف

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت امت کے لیے ایک سنگِ میل تاریخی اور دینی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ دور نہ صرف رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد سیاسی اور اجتماعی خلا کو پُر کرتا ہے بلکہ امتِ مسلمہ کے اتحاد، استحکام اور دین کی حفاظت کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کے ابتدائی ڈھانچے کو خلافتِ صدیقی نے مستحکم کیا، شریعت کے نفاذ اور سماجی انصاف کے شاندار اصول قائم کیے، اور امتِ مسلمہ کو داخلی اختلافات اور انتشار سے بچایا۔ اس کے علاوہ، حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی تدبیر، صداقت، شجاعت، اور قربِ نبوی نے ان کو ایسے قائد کے طور پر پیش کیا جو صرف سیاسی حکمران نہیں بلکہ دین اسلام کے احکام کے محافظ اور امت مسلمہ کے رہنما تھے۔ اس طرح خلافتِ صدیقی نہ صرف تاریخی ضرورت بلکہ دینی، اخلاقی اور اجتماعی قیادت کی روشن مثال ہے، جس نے بعد کے ادوار میں بھی امت مسلمہ کو بھرپور رہنمائی فراہم کرنے کا معیار قائم کیا۔ علامہ سیّد جعفر مرتضی عاملی نے خلافتِ صدیقی کے قیام کے حوالے سے درج ذیل گفتگو تفصیلی انداز سے کی ہے:

> خلافت کا فیصلہ نہ وحی الٰہی کی بنیاد پر تھا، نہ تمام مسلمانوں کی شرکت اور رضامندی سے ہوا، بلکہ ایک محدود، عجلت آمیز اور سیاسی اجتماع میں طے پایا۔ جبکہ اسی وقت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ ان

نصوص میں یہ دکھایا گیا ہے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی معنوی شخصیت سقیفہ بنو ساعدہ میں غیر حاضر ہونے کے باوجود سب کے ذہنوں پر حاوی تھی، اسی لیے کبھی افواہوں کے ذریعے انہیں خلافت کے دائرے سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی اور کبھی ان کے بارے میں خوف پھیلایا گیا۔ بعد ازاں طاقت، قبائلی حمایت اور جبر کے ذریعے بیعت لی گئی، گھروں پر چھاپے مارے گئے، مسلمانوں کو زبردستی مسجد لایا جاتا تھا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر ظلم ہوا اور باغ فدک چھین لیا گیا، جبکہ فتنہ سے بچنے کا دعویٰ کیا جاتا رہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دلائل (نماز، غار وغیرہ) ناقابلِ اعتماد تھے، اگر واقعی دین اور امت کی حفاظت مقصود ہوتی تو رسول کریم ﷺ کی واضح ہدایات پر عمل کیا جاتا، کیوں کہ حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد شخصیت تھے جو علم، تقویٰ، اہلبیت، شجاعت اور نصِ نبوی کے جامع تھے اور جن کے حق کو نظرانداز کرنا ہی اصل فتنہ کا سبب بنا۔ علامہ عاملی کے اس تبصرے کا مختصر اجائزہ درج ذیل ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصطفوی رہنمائی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحیح بخاری و دیگر کتب احادیث میں متعدد مقامات پر مصطفوی رہنمائی نہایت واضح انداز میں سامنے آتا ہے، جو صریح نص نہ ہونے کے باوجود قوی ترین تعلیم و تفہیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اپنے آخری ایام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بار بار نماز کی امامت کے لیے آگے فرمایا اور کسی دوسرے کا نام قبول نہ کیا، حتیٰ کہ اپنی شدید علالت کے باوجود ان کی امامت برقرار رکھی، جو دینی قیادت کا سب سے نمایاں مظہر ہے۔ اسی طرح بخاری کی روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ "اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا"[41] ان پر اعتماد، خصوصی قرب اور ترجیح نبوی کو ظاہر کرتا ہے۔ مزید یہ کہ رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ پاک "میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا"[42] حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی جانب رہنما اشارے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث بخاری درج ذیل ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے اُمّ المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا:

> "لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ فَأَعْهَدَ، أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ، ثُمَّ قُلْتُ: يَأْبَى اللَّهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ، أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ".[43]
>
> (میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجوں اور انہیں (ابو بکر رضی اللہ عنہ کو) وصیّت کر دوں تاکہ اس پر کسی دعویٰ کرنے والے یا اس کی خواہش رکھنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہ رہے لیکن پھر میں نے سوچا کہ اللہ خود (کسی دوسرے کو خلیفہ) نہیں ہونے دے گا اور مسلمان بھی اسے دفع کریں گے)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بابُ الاستخلاف کے تحت اس حدیث مبارکہ کو لاکر انتہائی لطیف مگر مضبوط انداز میں خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر مصطفوی اشارہ واضح کر دیا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کر دوں، تاکہ کوئی جھگڑا یا آرزو باقی ہی نہ رہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک خلافت کا سب سے موزوں اور فطری حق دار حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ لیکن پھر آقا کریم ﷺ نے یہ فرما کر کہ "اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کریں گے "اس امر کو امت مسلمہ کے اجتماعی شعور اور الٰہی تائید پر چھوڑ دیا، جو بعد ازاں بالفعل بیعتِ خاصہ وعامہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت کو الاستخلاف کے باب میں ذکر کرنا اس بات کا مضبوط قرینہ ہے کہ وہ اس کو محض فضیلت ہی نہیں بلکہ نبوی رہنمائی، الٰہی مشیّت اور ایمانی قبولیّت کے اجتماع کے طور پر دیکھتے ہیں اور یوں یہ حدیثِ مبارکہ خلافتِ صدیقی کی سب سے وزنی

حدیثی بنیادوں میں شمار ہوتی ہے۔اس حدیث مبارک پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح بخاری امام اَبو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک معروف بہ ابن بطّال رحمۃ اللہ علیہ درج بالا حدیث بارے لکھتے ہیں:

"قال المهلب فيه دليل قاطع فى خلافة ابى بكر"[44]

(مہلّب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث میں حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر قطعی دلیل موجود ہے)

اس حدیث بخاری میں خلافت صدّیقی پر واضح مصطفوی رہنمائی موجود ہے۔اس مفہوم کو بیان کرنے والوں میں امام شمس الدین الکرمانی متوفّی 786ھ [45]،امام ابن الملقن الشافعی المصری متوفّی 804ھ [46]،امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ[47]،امام بدر الدین العینی متوفّی 855ھ[48]،امام شہاب الدین القسطلانی متوفّی 923ھ[49]،شامل ہیں۔اس کے علاوہ صحیح بخاری میں ہی ایک اور حدیث پاک موجود ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے بیان کیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون آئیں اور کسی معاملہ میں آپ سے گفتگو کی، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس آئیں۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ !اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ جیسے ان کا اشارہ وفات کی طرف ہو۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔[50]

اس حدیث مبارک کی تشریح میں شارح بخاری امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب سے قوی اور واضح دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد رہنمائی کے لیے صراحت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کا حکم دیا۔یہ صرف ایک وقتی ہدایت نہیں تھی بلکہ مستقبل کی قیادت کی طرف نبوی اشارہ تھا، جو عام انسانی اندازے پر مبنی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ آئندہ حالات کا علم صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے حاصل تھا۔اگرچہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک شخص کو نام لے کر علانیہ خلیفہ مقرر نہیں فرمایا، تاہم واضح قرائن، مسلسل اشارات اور مخصوص افراد کی طرف امت کی رہنمائی کے ذریعے خلافت کے معاملے کو مضبوط اور منظم کر دیا، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ طرزِ عمل بھی استخلاف اور تقرر ہی کی ایک معتبر صورت تھی، اور اسی بنیاد پر حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دینی و تاریخی طور پر مستحکم قرار پاتی ہے۔[51]

امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

یہ (حدیث) اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں اور یہ حدیث مبارک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نہایت واضح اور روشن دلائل میں سے ہے۔[52]

امام شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو خلافت صدیقی کی طرف واضح دلیل قرار دیا۔[53]

امام شہاب الدین اَحمد بن محمد بن اَبی بکر بن عبد الملک القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو خلافت صدیقی کی واضح دلیل قرار دیا۔[54]

ان روایات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ کے دینی و عملی معاملات میں مرجع اور پیشوا کے طور پر متعین فرمایا۔محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ محض فتویٰ یا وقتی انتظام ہی نہیں بلکہ مستقبل کی قیادت کی طرف واضح رہنمائی ہے۔اسی بنا پر امام مہلّب، ابن بطال، ابن الملقّن، امام عینی، ابن حجر اور دیگر اجل شارحینِ بخاری نے تصریح کی ہے کہ یہ روایات استخلاف بالاشارہ کی مضبوط مثالیں ہیں، جن میں اگرچہ صراحتِ لفظی تو نہیں مگر دلالت اتنی مضبوط ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے سمجھ

لیا اور امت مسلمہ نے بالاجماع اسی کی پیروی کی۔ چنانچہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صحیح بخاری کی یہ احادیث خلافتِ صدیقی کے حق میں محض فضائل نہیں بلکہ نبوی رہنمائی اور عملی استخلاف کی مستند دلیل ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت بالاجماع

سقیفہ بنو ساعدہ میں ابتدائی مشاورت کے بعد جب معاملہ امت مسلمہ کے سامنے آیا تو مسجدِ نبوی میں علانیہ بیعت ہوئی، جس میں کسی بھی معتبر صحابی کی طرف سے مستقل انکار یا متبادل خلافت کا دعویٰ بالکل بھی سامنے نہیں آیا۔ یہ بیعت نہ جبر کا نتیجہ تھی اور نہ وقتی سیاسی مصلحت، بلکہ رسولِ کریم ﷺ کے اشارات، حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی قربتِ نبوی، دینی بصیرت، تجربہ اور بحران کے وقت قیادت کی صلاحیت پر امت مسلمہ کے اعتماد کا مظہر تھی۔ اسی اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ارتداد، فتنوں اور انتشار کے دور میں امت مسلمہ کو متحد رکھا اور ثابت کیا کہ خلافتِ صدیقی محض انتخاب ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ کے اجتماعی شعور، شرعی فہم اور عملی اتفاق کی مستحکم بنیاد پر قائم ہوئی۔ حدیث بخاری کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اور خلافت کے بارے میں یہ رائے پیش کی کہ انصار اور مہاجرین میں سے ایک ایک امیر ہونا چاہئے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدّیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ گفتگو کے دوران حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکمت اور بلاغت کے ساتھ واضح کیا کہ خلافت کا عظیم منصب قریش کے لیے زیادہ مناسب ہے اور انصار امت میں معاون و وزیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اختلاف ختم کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کی بیعت کی پیشکش کی، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود آگے بڑھ کر حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت، قربِ نبوی اور امتیازی مقام کا اعتراف و بیان کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، جس کے بعد حاضرین نے بھی ان کی بیعت کی۔ یوں سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافتِ صدیقی پر اتفاق قائم ہو گیا۔[55]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عنہ کی بیعت کی گئی تو انصار صحابہ میں سے کچھ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لائے تو آپ نے بھی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔[56]

اس حدیث مبارکہ کو سند صحیح کے ساتھ بیان کرنے والوں میں امام بیہقی (المتوفّٰی 458ھ)[57]، امام ذہبی متوفّٰی 748ھ[58]، امام ابن قایماز الذہبی متوفی 748ھ[59]، امام ابن کثیر دمشقی متوفّٰی 774ھ[60]، امام ابن کثیر القرشی الدمشقی،[61]، امام سیوطی متوفّٰی 911ھ[62]، امام علی المتقی الہندی متوفّٰی 975ھ[63]، شامل ہیں۔

صحیح بخاری رقم: 4641 میں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ ماہ بعد بیعت کا ذکر ہے وہ راویہ حدیث ام المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ نہیں بلکہ ابن شہاب زہری کا اِدراج[64] ہے اور اس کو بیان کرنے والوں میں امام ابو بکر بیہقی متوفّٰی 458ھ[65]، امام ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ[66]، امام بدر الدین العینی متوفّٰی 855ھ[67]، امام شہاب الدین القطلانی متوفّٰی 923ھ[68] جیسے معروف محدّثین کرام رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کو اجماعِ امت قرار دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث کی روایات اور ان کی شروح میں یہ حقیقت نمایاں ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں ابتدائی بیعت کے بعد مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ ہوئی، امت مسلمہ کا اجتماعی رجحان اور اہلِ حلّ و عقد کا اتفاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی پر قائم ہوا، حتیٰ کہ بعد کی بیعت نے اس

اتفاق کو عام اور قطعی بنا دیا۔ اس طرح محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ بیعت محض ایک وقتی فیصلہ نہیں بلکہ شرعی و تاریخی اجماع کی مضبوط مثال ہے، جس نے خلافتِ صدیقی کی مشروعیت اور استحکام کو بلا شبہ ثابت کر دیا۔ بیعت صدیقی پر جن محدّثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اجماع کا قول کرنے والوں میں امام حاکم نیشاپوری متوفّٰی 405ھ[69]، امام صابونی متوفّٰی 449ھ[70]، امام بیہقی متوفّٰی 458ھ[71]، امام ابن عقیل متوفّٰی 513ھ[72]، امام مازری متوفّٰی 536ھ[73]، امام قاضی عیاض مالکی متوفّٰی 544ھ[74]، علامہ یحیٰ بن ابی بکر عامری متوفّٰی 558ھ[75]، علامہ ابن قدامہ مقدسی متوفّٰی 620ھ[76]، علامہ ضیاء الدین قرطبی متوفّٰی 671ھ[77]، امام شرف الدین طیبی متوفّٰی 743ھ[78] حافظ ابن کثیر متوفّٰی 774ھ[79]، امام محمد بن محمد بن عبد الرحمن بکری متوفّٰی 952ھ[80] شامل ہیں۔

خلافتِ صدیقی رضی اللہ عنہ پر مصطفوی اشارے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے صریح اجماع اور امت مسلمہ کے عملی تعامل اور جلیل القدر محدّثین کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت محض ایک وقتی سیاسی نظم نہیں بلکہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح رہنمائی کا فطری اور شرعی نتیجہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامتِ نماز کے لیے متعین کرنا، ان کے سوا کسی اور کا اس منصب پر قائم نہ رہنا، اور بہت سے مواقع پر ان کی تقدیم و ترجیح یہ سب مصطفوی اشارات اس امر کی واضح قوی دلیل ہیں کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اشارۃً قیادت کا راستہ دکھا دیا تھا۔ اس پر مزید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سقیفہ بنی ساعدہ میں متفق ہو جانا، پھر مہاجر و انصار کا بلا استثناء بیعت کرنا، اور معتبر صحابہ رسول رضی اللہ عنہم کا مستقل و اصولی اختلاف نقل نہ ہونا، اس اجماعِ قطعی کو ثابت کرتا ہے جس کو اہلِ سنت کے نزدیک شرعی حجیت حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ سید جعفر مرتضی عاملی کا خلافتِ صدیقی رضی اللہ عنہ کو محض اجتہادی یا متنازع امر قرار دینا نہ صرف نبوی ہدایات کے مجموعی مفہوم سے صرفِ نظر ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعِ عملی اور امت کے مسلسل تعامل کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا علمی دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ اس موقف کو ناقابلِ قبول قرار دیا جائے۔

حوالہ جات:

1 غازی، محمود احمد ڈاکٹر، **محاضرات سیرت**، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، 2009ء)، ص204-

2 عزیز الرحمن، سیّد، **دور جدید میں سیرت نگاری کے رجحانات**، مرتبہ، مبشر حسین، عبد الکریم عثمان، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2015ء)، ص317-

3 شاہ عبد العزیز، محدث دہلوی، **عجالہ نافعہ**، (مترجم وشارح) ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی، (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب 1964ء)، ص48-

4 ماہنامہ کیہان فرہنگی، مصاحبہ باسید جعفر مرتضی عاملی، مدیر دکتر فیروز اصلاحی: ناشر: موسسہ کیھان، خیابان، سال 1367ھ، شمارہ: 59-

5 محمد شریف، **الصحیح من سیرة النبی الاعظم کا منہج تجزیاتی مطالعہ**، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم فل، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 2016ء)، ص7-

6 محمد شریف نفیس، **سیرت طیبہ میں ایک جدید اور منفرد کتاب، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ**،
2025 may 8,https://risalaat.com/?p=596 AM:06:00-

7 علامہ سیّد جعفر مرتضی عاملی، **الصحیح من سیرة النبی الاعظم**، 273/33-

8 ایضاً، 278/33-

9 ایضاً، 279/33-

10 ایضاً، 278/33-

11 آجُرّی، ابو بکر محمد بن حسین، **کتاب الشریعة**، (بیروت: شرکۃ دار اللؤلؤ، 1444ھ)، 548/2-

12 ایضاً، 1713/4-

13 ابن بَطّۃ العکبري، أبو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد، **الإبانة الكبرى**، (الریاض: دار الرایۃ للنشر والتوزیع، 1415ھ)، 757/9-

14 باقلانی، محمد بن الطیب بن محمد بن جعفر بن القاسم، **الانتصار للقرآن**، (بیروت: دار ابن حزم، 1422ھ)، 491/2-

15 الأصبهاني، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ بن أحمد، (المدینۃ المنورۃ: دار البخاري للنشر والتوزیع، 1417ھ)، 151/1-

16 بیہقي، إبراہیم بن محمد، **المحاسن والمساوئ**، 223/1-

17 القرطبی، أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد، **التمهيد لما في المؤطا من المعانی والأسانيد**، (ریاض: وزارۃ عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ، 1387ھ)، 129/22-

18 ابن الزاغونی، علي بن عبید اللہ بن نصر، **المفردات**، (ریاض: دار الحضارۃ، 1446ھ)، ص343-

19 العمرانی الیمنی، أبو الحسین یحیی بن أبي الخیر بن سالم، **الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدرية الأشرار**، (الریاض: أضواء السلف، 1419ھ)، 840/3-

20 الطبری، أبو العباس أحمد بن عبد اللہ، **الرياض النضرة فی مناقب العشرة**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1425ھ)، 218/1-

21 علامہ سیّد جعفر مرتضی عاملی، **الصحیح من سیرة النبی الاعظم**، 279/33-

22 سورۃ التوبۃ 100:09-

23 ایضاً، 40:09-

24 علامہ سیّد جعفر مرتضی عاملی، **الصحیح من سیرة النبی الاعظم**، 278/33-

25 احمد بن حنبل، **فضائل الصحابة**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1403ھ)، 133/1-

26 فاکہی، أبو عبد اللہ محمد بن إسحاق بن العباس، **أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه**، (بیروت: دار خضر، 1414ھ)، 188/3-

27 ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی**، (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1420ھ)، 52/6-

28 بزار، أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق،مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار،(مدینہ منورہ:مکتبۃ العلوم والحکم،1408ھ)،94/1-

29 خلال، أبو بکر أحمد بن محمد بن ھارون،السنۃ،(ریاض:دار الرایۃ،1410ھ)،377/2-

30 الضبي المحاملي، أبو عبد الله البغدادي الحسین بن إسماعیل،أمالي المحاملي بروایة ابن یحیی البیع،1412ھ،356/1-

31 ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان،الإحسان في تقریب صحیح ابن حبان،(بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ،1408ھ)،279/15-

32 آجُرّی،ابو بکر محمد بن حسین،کتاب الشریعۃ،(بیروت:شرکۃ دار اللؤلؤ،1444ھ)،710/4-

33 طبرانی، أبو القاسم سلیمان بن أحمد بن أیوب،المعجم الأوسط،(القاھرۃ:دار الحرمین)،190/8-

34 بغدادي، أبو الفضل عبید الله بن عبد الرحمن،حدیث الزھري،(ریاض: أضواء السلف،1418ھ)،158/1-

35 ابن بَطّة العکبري، أبو عبد الله عبید الله بن محمد بن محمد،الإبانة الکبری لابن بطة،(ریاض:دار الرایۃ للنشر والتوزیع،1415ھ)،437/9-

36 نیشاپوري، أبو عبد الله الحاکم محمد بن عبد الله بن محمد،المستدرک علی الصحیحین،(بیروت:دار الکتب العلمیۃ،1411ھ)،67/3-

37 بیہقي، أبو بکر أحمد بن الحسین،السنن الکبری،(بیروت:دار الکتب العلمیۃ،1424ھ)،599/6-

38 قرطبي، أبو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر،جامع بیان العلم وفضله،(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ:دار ابن الجوزي،1414ھ)،1098/2-

39 مقدسی،ضیاء الدین أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد،الأحادیث المختارة أو المستخرج من الأحادیث المختارة مما لم یخرجه البخاري ومسلم في صحیحیهما،(بیروت:دار خضر للطباعۃ والنشر والتوزیع،1420ھ)،102/1-

40 ہیثمی، أبو الحسن نور الدین علي بن أبي بکر بن سلیمان،موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان،(بیروت:دار الکتب العلمیۃ)،533/1-

41 محمد بن اسماعیل،صحیح بخاری،کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا،رقم الحدیث:3657-

42 ترمذی، محمد بن عیسیٰ،سنن ترمذی،کتاب المناقب عن رسول اللهﷺ،باب في مناقب أبي بکر وعمر کلیهما،رقم الحدیث:3663-

43 امام، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری،کتاب الأحکام،باب الاستخلاف،رقم الحدیث:7217-

44 ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف،شرح صحیح البخاری لابن بطال،(الریاض:مکتبۃ الرشد،1423ھ)،281/8-

45 کرمانی، محمد بن یوسف بن علي،الکواکب الدراري في شرح صحیح البخاري،(بیروت:دار إحیاء التراث العربي،1356ھ)،248/24-

46 ابن الملقن، سراج الدین أبو حفص عمر بن علي،التوضیح لشرح الجامع الصحیح،(دمشق:دار النوادر،1429ھ)،601/32-

47 عسقلانی،شہاب الدین احمد بن علی بن حجر،فتح الباری شرح صحیح البخاری،(بیروت:دار المعرفۃ،1426ھ)،380/8-

48 عینی، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسیٰ،عمدة القاري شرح صحیح البخاري،(بیروت:دار إحیاء التراث العربي،1425ھ)،278/24-

49 قسطلانی،شہاب الدین أحمد بن محمد بن أبی بکر،إرشاد الساري لشرح صحیح البخاري،(مصر:المطبعۃ الکبری الأمیریۃ،1323ھ)،270/10-

50 امام، محمد بن اسماعیل،صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی ﷺ: لو کنت متخذا خلیلا،رقم الحدیث:3659-

51 ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف،شرح صحیح البخاری لابن بطال،(الریاض:مکتبۃ الرشد،1423ھ)،282/8-

52 عینی، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسیٰ،عمدة القاري شرح صحیح البخاري،(بیروت:دار إحیاء التراث العربي،1425ھ)،280/24-

53 کرمانی، محمد بن یوسف بن علي،الکواکب الدراري في شرح صحیح البخاري،(بیروت:دار إحیاء التراث العربي،1356ھ)،250/24-

54 قسطلانی،شہاب الدین أحمد بن محمد بن أبی بکر،إرشاد الساري لشرح صحیح البخاري،(مصر:المطبعۃ الکبری الأمیریۃ،1323ھ)،272/10-

55 محمد بن اسماعیل،صحیح بخاری،کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی کفنه،رقم الحدیث:3668-

56 نیشاپوري، أبو عبد الله الحاکم محمد بن عبد الله بن محمد،المستدرک علی الصحیحین،(بیروت:دار الکتب العلمیۃ،1411ھ)،80/3-

57 بیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي،الاعتقاد والهدایة إلی سبیل الرشاد علی مذهب السلف وأصحاب الحدیث،(بیروت:دار الآفاق الجدیدۃ،1402ھ)،349/1-

58 ذہبی، شمس الدین أبوعبد اللہ محمد بن أحمد، سير أعلام النبلاء، (قاہرہ: دار الحدیث، 1427ھ)، 369/2۔

59 ذہبی، شمس الدین أبوعبد اللہ محمد بن أحمد، تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، (بیروت: دار الکتاب العربي، 1413ھ)، 10/3۔

60 ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، البداية والنهاية، (بیروت،: دار الفکر، 1407ھ)، 249/5۔

61 ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، السيرة النبوية، (بیروت: دار المعرفة، 1395ھ)، 495/4۔

62 سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن أبي بکر، جامع الأحاديث، (مطبع، د حسن عباس زکی)، 225/25۔

63 متقی ہندی، علاء الدین علي بن حسام الدین، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، (بیروت: مؤسسة الرسالة، 1401ھ)، 613/5۔

64 حدیث کی سند یا متن (عبارت) میں باہر سے کوئی بات یا جملہ ملا دینا جو اصل حدیث کا حصہ نہ ہو۔

65 بیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي، الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث، (بیروت: دار الآفاق الجدیدة، 1402ھ)، 439/1۔

66 عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر، فتح البارى شرح صحيح البخارى، (بیروت: دار المعرفة، 1426ھ)، 449/7۔

67 عینی، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسیٰ، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1425ھ)، 258/17۔

68 قسطلانی، شہاب الدین أحمد بن محمد بن أبي بکر، إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، (مصر: المطبعة الکبری الأمیریة، 1323ھ)، 270/10۔

69 نیشابوري، أبو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرك على الصحيحين، (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1411ھ)، 84/3۔

70 صابونی، ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمن، عقيدة السلف اصحاب الحديث، (ریاض: دار العاصمة، 1419ھ)، ص290۔

71 الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث، ص431۔

72 ابن عقیل، ابو الوفا علی بن عقیل، الواضح فى اصول الفقه، (بیروت: مکتبہ الرسالة، 1420ھ)، 167/5۔

73 مازری، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر، المعلم بفوائد المسلم، (المؤسسة الوطنیة، 1413ھ)، 239/3۔

74 عیاض مالکی، ابی الفضل قاضی عیاض بن موسی بن عیاض، اكمال المعلم بفوائد مسلم، (مصر: دار الوفاء، 1419ھ)، 221/6۔

75 عامری یمنی، علامہ یحیٰ بن ابی بکر، الرياض المستطابة، (طبع علی نفقة الشئون الدینیة، س ن)، ص143۔

76 مقدسی، علامہ ابن قدامہ، لمعة الاعتقاد، (الریاض: مکتبہ دار المنہاج، 1436ھ)، ص141۔

77 قرطبی، ابو العباس ضیاء الدین احمد بن عمر، (بیروت: دار ابن کثیر، 1417ھ)، 14/4۔

78 طیبی، شرف الدین حسین بن عبد اللہ بن محمد، شرح الطيبى على مشكوة المصابيح، (الریاض: مکتبہ نزار مصطفی الباز، 1417ھ)، 49/12۔

79 ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر، البداية والنهاية، (بیروت: مکتبة المعارف، 1409ھ)، 250/5۔

80 بکری، محمد بن محمد بن عبد الرحمن، تاريخ الخميس، 200/2۔